© rasailojaraid.com



# تدوین حدیث

(۵)

## محاضرۂ چہارم

از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ابوبکر ایک قطعی فیصلہ پر پہنچ چکے تھے، اسی لئے کسی دوسرے سے حتیٰ کہ ام المومنین جیسی صاحبزادی سے بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی مشورہ اس باب میں سنیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوچھتی رہیں، لیکن ادھر سے کوئی جواب نہ ملا، عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ

فلما اصبح قال ای بنیہ ھلمی — جب صبح ہوئی تو (حضرت ابوبکر) نے فرمایا

الاحادیث التی عندک — بیٹی ان حدیثوں کو لاؤ جو تمہارے پاس ہیں

کچھ نہیں معلوم کہ جن حدیثوں کو اتنی محنت اور کاوش سے لکھا ہے ان کو کیا کریں گے، مگر حکم تھا کہ عائشہ صدیقہ نے کتاب حاضر کر دی اس کے بعد کیا ہوا ان ہی سے سنئے فرماتی ہیں

فدعا بنار فحرقھا — پھر آگ منگوائی اور اس نسخہ کو جلا دیا۔

اور اب صدیقہ کی سمجھ میں آیا کہ رات بھر والد بے چینی کے ساتھ کروٹیں جو بدل رہے تھے اس کا اصلی راز کیا تھا سب سے بڑی کامیابی ابوبکر کو نظر آ گئی کہ ان کی بہت بڑی ناکامی ہوگی اگر دنیا میں ان کے ہاتھ کی یہ لکھی ہوئی کتاب باقی رہ گئی جو نہیں جانتے ہیں وہ کیا سمجھتے ہیں اور جو جانتا تھا اس نے کیا سمجھا، باپ بیٹی کی آئندہ گفتگو سے اس کا اندازہ کیجئے۔ صدیقہ فرماتی ہیں جب والد نے کتاب میں آگ لگا دی، اور اس کو جلا دیا تب میں نے عرض کیا کہ

لم احرقتھا — آپ نے اسے کیوں جلا دیا۔

یہی سننے کی بات ہے جو جواب میں حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خشیت ان اموت وھی عندی
فیکون فیھا احادیث عن رجل
قد ائتمنتہ ووثقتہ ولم یکن کما
حدثنی فاکون قد نقلت ذاک
فھذا لا یصح

مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ میں مر جاؤں اور حدیثوں کا یہ مجموعہ مرے پاس رہ جاتے (بایں طور) کہ اس مجموعہ میں ایسے شخص کی بھی حدیثیں ہوں جس کی امانت پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کے بیان پر اعتماد کیا مگر جو کچھ اس نے مجھ سے بیان کیا بات ویسی نہ ہو اور میں نے (اپنے مجموعہ) میں اسے نقل کر دیا۔ ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

میرے خیال میں تو بغیر کسی تاویل کے واضح اور صاف مطلب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا الفاظ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن حدیثوں کے متعلق عمومیت اور اشاعت کا طریقہ پیغمبر نے اختیار نہیں فرمایا تھا بلکہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی بات آخر جن بنیادوں پر مان لیا کرتا ہے، اور وہ بنیادیں کیا ہوتی ہیں، یہی کہ بظاہر خبر دینے والا ایسا آدمی ہو جس کے متعلق سننے والے یہ خیال رکھتے ہوں کہ یہ ایک معتبر اور قابل بھروسہ آدمی ہے۔ دنیا کا عام کاروبار اسی پر چل رہا ہے حتیٰ کہ عدالتوں میں اسی قسم کے گواہوں کی شہادتوں پر اعتماد کر کے حکام فیصلے صادر کیا کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ قطعی یقین جو لازوال ہو اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی پس ان حدیثوں کے باب میں بھی یہی راہ جب اختیار کی گئی تھی۔ اور اسی راہ سے جن حدیثوں کا علم انھیں حاصل ہوا تھا۔ یعنی ان کے بیان کرنے والوں کے متعلق اس کی ضمانت نہیں تلاش کی گئی کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، سچ ہی کہہ رہے ہیں، بلکہ ان کے عام حالات کو دیکھتے ہوئے جو کچھ انھوں نے بیان کیا تھا حضرت ابو بکر نے مان لیا تھا اور ان پر بھروسہ کر کے ان کی روایت کردہ حدیثوں کو اس مجموعہ میں جمع کر دیا تھا، اصل نوعیت تو ان حدیثوں کی یہی ہے، ان کی تبلیغ ہی ایسے ڈھنگ سے پیغمبر نے کی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اور یہی ہوا، مگر اسی وجہ سے کہ بالکلیہ ہر قسم کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



شکوک وشبہات کے ازالہ کی کوشش ان حدیثوں کے متعلق نہیں کی گئی ہے اس کا بھی احتمال ان میں باقی ہے کہ بیان کرنے والوں کا بیان ممکن ہے کہ صحیح نہ ہو جیسا کہ گذر چکا، اس احتمال کی گنجائش دین کے اسی حصہ میں قصداً رکھی گئی ہے اسی گنجائش نے اس کے مطالبہ کی قوت کو دین کے اس حصہ کے مطالبہ کی قوت کے مقابلہ میں کچھ کمزور کر دیا ہے جس میں قطعاً اس احتمال کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک حضرت ابوبکر نے ان روایتوں کو لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اپنی کتاب میں درج نہیں کیا تھا، ان کا یہی حال تھا مگر سوچنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے خلیفہ اور دینی وسیاسی جانشین کی حکومت کی طرف سے جو کتاب مرتب کرائی گئی ہو اس میں مندرج ہو جانے کے بعد کیا ان حدیثوں کا یہی حال جس کا باقی رکھنا مقصود تھا باقی رہ سکتا تھا، ابوبکر صدیق کی وہ کتاب آج مسلمانوں میں ہوتی تب بتایا جا سکتا تھا کہ اس کتاب کی حدیثوں کے ساتھ اور ان حدیثوں سے پیدا ہونے والے احکام وقوانین کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت اور گرویدگی کا کیا حال ہے

ناکون قد نقلت ذاك فهذا لا يصح

ان الفاظ کا کم از کم میری سمجھ میں یہی مطلب آیا ہے بلکہ شاید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسرے مطلب کی گنجائش بھی ان الفاظ میں مجھے نظر نہیں آتی اوروں سے بھی میری یہی استدعا ہے کہ ان الفاظ کا کوئی دوسرا مطلب ان کے ذہن میں پہلے سے اگر موجود ہو یا غور کرنے سے اب معلوم ہوتا ہو تو مجھے مطلع فرما سکتے ہیں کیونکہ اس کا احتمال ہی نہیں ہے کہ شبہ کی وجہ سے حضرت ابوبکر نے ان حدیثوں کو قابل قبول نہ قرار دیا ہو کیونکہ ان کا مسلک اگر یہی ہوتا تو شروع ہی سے ان حدیثوں کے جمع کرنے کا ارادہ چاہئے تھا کہ نہ فرماتے آخر یہ احتمال کہ باوجود سچ بولنے کے ہر وہ شخص جو معصوم نہیں ہے اس کی خبر میں صدق کے ساتھ کذب اور سچ کے ساتھ جھوٹ ہونے کا بھی اندیشہ کیا جا سکتا ہے، یہ اندیشہ تو لکھنے سے پہلے ان ساری روایتوں کے متعلق پیدا ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تھا جنھیں دوسروں سے سن کر انھوں نے اپنے اس مجموعہ میں درج کیا تھا لیکن باوجود اس اندیشہ کے جب ان حدیثوں کو لکھ چکے تو لکھنے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ مزید کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں ہوا تھا اضافہ اگر ہوا تھا تو اسی امر کا ان کے قلم بند کر دینے کے بعد وہ شبہ جس کا ہر حدیث کے ساتھ احتمال لگا ہوا تھا وہ ختم ہو جاتے گا بلکہ خلافت کی طرف سے اگر اس کی اشاعت نہ بھی کرتے گھر ی میں رکھے رہتے مگر ان کے بعد لوگوں کو یہی کتاب ملتی تو ظاہر ہے کہ ابوبکر کی طرف منسوب ہو جانا ہی اس شبہ کے ازالہ کے لئے کافی ہوتا بلکہ ان کے الفاظ "خشیت ان اموت وھی عندی" (مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ میں مر جاؤں اور حدیثوں کا یہ مجموعہ میرے پاس رہ جائے) ان الفاظ سے تو اسی کی تائید ہوتی ہے کہ اشاعت بھی ان کی زندگی میں اس کتاب کی اگر نہ کی جاتی جب بھی ان کے پاس سے اس کتاب کا نکلنا ہی اس نوعیت اور اس کیفیت کو بدل دینے کے لئے ان کے نزدیک کافی ہوتا جس کو قصداً ان حدیثوں میں باقی رکھنا پیغمبر کا مقصود تھا سیدھی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا مسلک اگر یہی ہوتا کہ خبر آحاد میں چونکہ غلطی کا احتمال ہوتا ہے اس لئے چاہئے کہ اپنی دینی زندگی میں مسلمان اس سے قطعاً استفادہ نہ کریں اور اسی وجہ سے اپنی اس کتاب کو انھوں نے اگر نذر آتش کیا تھا تو چاہئے تھا کہ کبھی ایک دو آدمیوں کی روایتوں پر وہ بھروسہ کرتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پیش ہونے پر اسی کے مطابق صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ ضرورت کے وقت لوگوں سے اسی قسم کی حدیثوں کی جستجو اور تلاش بتایا گیا ہے کہ ان کا یہ ایک عام دستور العمل تھا۔

آخر طبقات ابن سعد میں حضرت ابوبکر کی طرف اس اصول کو جو منسوب کیا گیا ہے کہ

ان ابا بکر اذا نزلت به قضية
لم يجد لها في كتاب الله اصلا
ولا في السنة اثرا فقال اجتهد
برأيي فان يكن صوابا فمن الله
وان يكن خطاء فمني واستغفر الله

حضرت ابوبکر کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی صورت
حال ان کے سامنے ایسی پیش ہوتی جس کے
متعلق نہ کتاب اللہ ہی میں کوئی اصل ملتی اور
نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس
کے متعلق کسی اثر کا پتہ چلتا تو فرماتے کہ اپنی رائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ج ۳ ص ۱۳۶

سے اب میں اجتہاد کرتا ہوں میرا یہ اجتہادی
نتیجہ اگر درست ہوا تو یہ اللہ کی طرف سے
(توفیق) ہوگی اور اگر غلط ہوا تو اس کی ذمہ داری
میری طرف عاید ہوگی میں خدا سے اس غلطی
کے متعلق معافی چاہتا ہوں۔

یہ کسی معمولی آدمی کا نہیں بلکہ ابن سیرین جیسے محقق صادق کا بیان ہے جس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے سامنے جب کوئی نیا مقدمہ یا مسئلہ پیش آتا تو پہلے قرآن میں اس کی اصل تلاش کرتے اس میں نہ ملتا تو سنت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل میں کوئی اثر اور نمونہ مل سکتا ہے تو اس کو ڈھونڈھتے، جب ان دونوں میں کوئی چیز نہ ملتی تو پھر خود اجتہاد فرماتے یہی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں جب کوئی اصل نہ ملتی تو سنت میں اثر تلاش کرنے کا کیا طریقہ تھا ظاہر ہے کہ کوئی کتاب ایسی اس وقت تو موجود نہ تھی جس سے مدد لی جا سکتی تھی، یہی کیا جا سکتا تھا اور کیا جاتا تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے متعلق حضرت ابوبکر کے پاس جو معلومات تھے ان میں ڈھونڈھتے اپنے پاس نہ ہوتا تو دوسروں سے پوچھتے متعدد واقعات میں انھوں نے یہی کیا بھی تھا جس کا کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے وہی جدہ (دادی) کی میراث کا مسئلہ ہے کون نہیں جانتا کہ خود حضرت ابوبکر کے پاس اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا، الذہبی میں ہے کہ

ثم سأل الناس تذکرہ ص ۳ تب حضرت ابوبکر نے لوگوں سے دریافت کیا

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ کیا ہو اور کسی کو معلوم ہو تو بتائیں تب حضرت مغیرہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فیصلہ کا اس مسئلہ کے متعلق ان کے پاس علم تھا اس کو پیش کیا جو ظاہر ہے کہ ایک خبر تھی، صدق وکذب کا احتمال اس میں بھی تھا جیسا لکھا ہے زیادہ اطمینان حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ کوئی اور صاحب بھی اس فیصلہ کی شہادت دے سکتے ہیں محمد بن مسلمہ نے جب تائید کی تو اسی حدیث کے مطابق



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کر دیا کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک آدمی کی خبر ہو یا دو کی غلطی کا احتمال دونوں میں رہتا ہے۔ البتہ دوسرے آدمی کی تائید سے اس احتمال میں کمچھ کمی ضرور ہو جاتی ہے جیسے عدالت کے مقدمات میں بھی یہی کیا جاتا ہے کہ بجائے ایک گواہ کے دو گواہوں کے بیان پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے یہی حضرت ابوبکرؓ نے بھی کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق لکھا ہے کہ بجائے اس کے مقدمات ہی کے سلسلہ میں مزید اطمینان کا جو طریقہ ہے، یعنی قسم کھلوانا یا حلف لینا اس پر عمل کرتے تھے[1]۔ حالاں کہ جب آدمی جھوٹ بول سکتا ہے اور بولتا ہے تو کیا جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور سکتا کیا معنی آئے دن جھوٹی قسموں کا بھی اسی طرح تجربہ ہوتا رہتا ہے جیسے جھوٹ بولنے کا، البتہ قسم سے جھوٹ کا احتمال ایک حد تک کم ہو جاتا ہے جیسے مزید ایک اور گواہی سے بھی یہی فائدہ ہوتا ہے۔

بہر حال شبہ تو بہر حال باقی رہتا ہے پس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اگر یہ ہوتا کہ خبر آحاد میں چوں کہ غلطی کا شبہ ہے اس لئے اس کو مسترد کر دینا چاہئے اور اسی خیال کے زیر اثر اگر اپنی جمع کی ہوئی حدیثوں کو انھوں نے جلا دیا تھا تو چاہئے تھا کہ باوجود شبہ کے محض ایک یا دو آدمی کے بیان پر بھروسہ کر کے قطعاً فیصلہ نہ کرتے۔

پس کوئی وجہ اس مجموعہ کے جلانے کی اس کے سوا نہیں ہو سکتی کہ حضرت ابوبکرؓ کی کتاب میں داخل ہو جانے کے بعد کم از کم پانسو حدیثوں کے اس مجموعہ کے متعلق مسلمانوں میں وہ احساس قطعاً باقی نہ رہتا جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی روایتوں میں قایم رکھنا چاہتے تھے، جذبہ کی مغلوبیت میں اگرچہ ایک فعل ان سے سرزد ہو گیا لیکن اس کے انجام پر جب ان کی نظر گئی تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ نبوت کا جو منشا رتھا ان کے اس فعل سے متاثر ہو جائے گا اور یہی سوچ کر

---

[1] ذہبی نے خود حضرت والا کا قول نقل کیا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کوئی بات جب میں سنتا تو جتنی توفیق ہوتی اس پر عمل کرتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث جب دوسرے سے سنتا تو قسم لے کر اطمینان حاصل کرتا تھا تذکرۃ الحفاظ ص۱۰ ج ۱



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مرا خیال بھی ہے کہ اس مکتوبِ مجموعہ کو حضرت نے ضائع فرما دیا۔ یقیناً آج مسلمانوں کے پاس حضرت ابوبکرؓ کی یہ کتاب اگر موجود ہوتی تو یقیناً اس کتاب کی مندرجہ حدیثوں کے نتائج کے مطالبہ اور گرفت کی وہ نوعیت قطعاً باقی نہ رہتی جو اس وقت خبرِ آحاد کی حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج کی ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ حدیثوں کے کتابی ذخیرے کی تحریق یا نذرِ آتش کرنے کا پہلا واقعہ عہدِ نبوت میں اس لئے پیش آیا تھا کہ کتابوں کی کمیت اور کثرتِ تعداد سے خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں عمومیت کا رنگ پیدا کر کے آئندہ مسلمانوں کی زندگی میں ضیق اور تنگی کی وجہ یہی حدیثیں نہ بن جائیں دین کے دونوں حصوں میں مراتب کے فرق کو باقی رکھنے کے لئے خود پیغمبر کے زمانہ میں حدیثوں کے اس کتابی ذخیرے کو جلا کر ختم کر دیا گیا اور ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں اگرچہ کتاب تو ایک ہی تھی۔ لیکن جس نے کتاب مرتب کی تھی اس کی ذاتی خصوصیات کا نفسیاتی اثر بھی اس فرق کو چونکہ ختم کر دیتا جسے بالارادہ قصداً دین کے دونوں حصوں میں باقی رکھنا مقصود تھا اسی لئے ابوبکر صدیق

---

[1] اس موقعہ پر اپنی طالب العلمی کے زمانہ کا ایک لطیفہ بے ساختہ یاد آ گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں جب فقیر طالب العلم تھا میرے ساتھ ایک کافی مجمع دوسرے طلبہ کا بھی تھا میں ان لوگوں سے اکثر کہتا تھا کہ یہ اتفاق کی بات ہے کہ فقیر آپ لوگوں کے زمانہ میں پیدا ہو گیا خدانخواستہ سو سوا سو سال بعد اگر پیدا ہوتا اور آپ لوگوں میں سے کوئی صاحب کتاب لکھ کر چلے جاتے۔ آپ کی کتاب کہیں مصر میں چھپ جاتی تو میرے لئے گویا تم ہی جیسے لوگوں کی باتیں حجت کی حیثیت اختیار کر لیتیں ہر شخص ڈراتا کہ فلاں علامہ نے اپنی کتاب میں اس کی تصریح کی ہے اب تیرے لئے نہ ماننے کی کیا گنجائش ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تم میں کتنے ہیں جو کتاب کا بھی صحیح مطلب نہیں سمجھتے شریعت کے گر اور تہ تک پہنچنا تو بڑی بات ہے بہرحال کتابی قالب کسی چیز کا اختیار کر لینا خصوصاً مذہب اور دین سے اس کا تعلق ہو تو انسانی نفسیات پر اس کے عجیب و غریب اثرات مرتب ہوتے ہیں اسلام میں حالانکہ شروع ہی سے مراتب و مدارج کے فرق کو باقی رکھنے کے لئے بڑے بڑے انتظام کئے گئے ہیں لیکن بایں ہمہ عام مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لئے دیکھا جاتا ہے کہ فلاں کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کافی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ اس مسئلہ کا سرچشمہ کیا ہے۔ کتاب ہے سنت ہے اجماع ہے۔ قیاس ہے۔ استحسان ہے یا صرف گذشتہ زمانہ کے لوگوں کا تجربہ یا رواج ہے ۱۲۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے بھی پیغمبر کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے اس کتاب کو جلا کر خطرے کا انسداد فرمایا گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ جیسے عہد نبوت میں اسی فرق کو باقی رکھنے کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا، اسی طرز عمل کی تجدید و احیاء کا ایک قدرتی موقعہ حضرت ابوبکر کو بھی مل گیا۔

بہرحال میرے نزدیک تدوین حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہی خدمت تھی جسے آپ نے انجام دی، لیکن ظاہر ہے اس کا یہ مطلب کبھی نہ تھا کہ اس نوعیت کی حدیثوں کو کسی تحقیق و تنقید یا چھان بین کے بغیر قبول کرلیا جائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا جو انتظام تھا اس کا ذکر کرچکا ہوں "من کذب علی متعمدا" والی حدیث کی ایسی عمومی اشاعت کہ معنًی اس میں تواتر کا رنگ پیدا ہوگیا یہ اسی انتظام کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی، اور گو عام طور پر لوگ اس روایت کا کم ذکر کرتے ہیں، لیکن مجمع الفوائد وغیرہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ قصہ جو نقل کیا گیا ہے راوی اس کے وہی عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں فرماتے ہیں کہ

ان رجلا لبس حلة مثل حلة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واتی اهل بیت من المدینة فقال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ای بیت شئت استطعمت فقالوا عهدنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یامر بالفواحش فاعدوا له بیتا وارسلوا رسولا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبروه فقال لابی بکر وعمر انطلقا الیه فان وجدتماه حیا فاقتلاه ثم حرقاه بالنار جمع الفوائد ص ۲۷

ایک شخص اسی قسم کا لباس پہن کر مدینہ منورہ کے کسی صاحب کے گھر میں پہنچا جیسا لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیب تن فرمایا کرتے تھے اور گھر والوں سے اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جس گھر میں چاہو تم جہانک سکتے ہو تب لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد ہم سے لیا ہے (اسے ہم جانتے ہیں)، کبھی آپ بے شرمی کی باتوں کا حکم نہیں دیتے، پھران ہی لوگوں نے اس کے لئے ایک گھر خالی کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ایک آدمی بھیجا اور جو بات اس شخص نے کہی تھی
اس کے متعلق دریافت کیا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو اس شخص کی اس غلط بیانی کا علم ہوا
تو آپ نے ابوبکر و عمر کو حکم دیا کہ اس شخص کے
پاس جاؤ، اگر اس کو زندہ پاؤ تو قتل کر دینا، اور
آگ میں جلا دینا۔[1]

آگے بیان کیا گیا ہے کہ ان حضرات کے پہونچنے سے پہلے اس شخص کو سانپ نے ڈس لیا، جب تک یہ لوگ پہنچے وہ مر چکا تھا، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بطور پیشین گوئی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا اصابہ میں ہے کہ بھیجتے ہوئے رسول اللہ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں تم دونوں اس شخص کو نہ پا سکو گے (اصابہ صفحہ ۲۲۵ ج ۱)

بہرحال اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ بات منسوب کرنے والے کو حکومت چاہے تو قتل تک کی سزا دے سکتی ہے اور بعد کو سلاطین اسلام نے اس قسم کے زنادقہ کو یہی سزا دی بھی ہے جس کا ذکر انشاء اللہ اپنے موقعہ پر آئے گا

پس اصلی کام دین کے اس حصے کے متعلق وہی "کچ دار مریز" کے اصول کی نگرانی تھی ایک طرف تو حضرت ابوبکرؓ نے اس خطرے کے انسداد کے لئے کہ دین کے اس حصے میں عمومیت کا رنگ نہ پیدا ہو جائے جس کی عمومی اشاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی اپنے لکھے ہوئے مجموعہ کو ضائع بھی فرما دیا، لیکن اسی کے ساتھ آپ نے خبروں کی تحقیق و تنقید کے عام اصول کے سوا حضرت مغیرہ کے بیان کرنے پر جو یہ فرمایا کہ ھل معک غیرک (کیا تمہارے ساتھ اس خبر میں

---

[1] حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بھی اس روایت کو الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ نقل کیا ہے اصابہ والی روایت میں ہے کہ اس شخص نے آکر لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نکاح فلاں عورت سے کر دیا ہے، اسی طرح بجائے حضرت ابوبکر و عمر کے اصابہ والی روایت میں ہے کہ حضرت علی و مقداد کو رسول اللہ نے اس شخص کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا ۱۲۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوئی دوسرا آدمی بھی ہے) اگرچہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا تو صحیح نہ ہوگا کہ جیسے فصل خصومات کے لئے کم از کم شہادت کا نصاب دو ہے اسی طرح اس نوعیت کی حدیثوں پر اعتماد کرنے کے لئے کم از کم دو راویوں کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ دین کے اس حصہ پر اعتماد کرنے کے لئے اس کو قانونی نصاب کی شکل اگر دے دی جائے گی تو ثابت کرنا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوعیت کی حدیثوں کی تبلیغ کم از کم دو آدمیوں کو ضرور فرماتے تھے حالانکہ یہ قطعاً غیر ضروری ہے، ایک ذخیرہ روایات کا پایا جاتا ہے جن کے متعلق خود صحابی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ذکر اور کسی سے نہ کیا تھا نیز دنیا کے عام کاروبار میں جیسے اس وقت تک دیکھا جا رہا ہے عہد نبوت میں بھی بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہی دستور تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ضرورتوں کے لئے ایک ہی آدمی کو روانہ فرمایا کرتے تھے لیکن یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوتے اس آدمی پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہو کہ

انت واحد ولیس لك ان
نأخذ منا مالم نسمع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
انہ بعثکم علینا (الرسالہ ص۱۱)

تم تنہا اکیلے آدمی ہو اس لئے تمہیں اس کا حق نہیں ہے کہ ہم سے کچھ اس وقت تک وصول کرو جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم یہ نہ سن لیں کہ ہم لوگوں سے (صدقہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے) تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔

---

خود ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد روایتیں ایسی مروی ہیں جن کے تنہا وہی راوی ہیں خصوصاً وراثت انبیاء والی روایت، "اور پیغمبر کے مدفون ہونے کی جگہ وہی ہوتی ہے جہاں ان کی وفات واقع ہو، ان دونوں حدیثوں کے وہ تنہا راوی ہیں اور ایک وہی کیا آپ کے بعد خلفاء اور دوسرے صحابہ صرف ایک صحابی کے بیان پر بھروسہ کر کے حدیثوں کو عموماً مانتے رہے ہیں اس کے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



متعلق واقعات کی اتنی کثرت ہے کہ ان کو ایک جگہ اگر جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ان سے تیار ہوسکتی ہے۔ کفایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الخطیب نے ایک مستقل کتاب میں ان روایات کو جمع کردیا ہے۔

بہرحال جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قسم لینا مزید اطمینان کی ایک تدبیر تھی نہ کہ اعتماد کی شرط تھی، بجنسہ یہی حال حضرت ابوبکر کے اس طرز عمل کا ہے کہ اعتماد میں زیادہ قوت پیدا ہو جائے اس لئے آپ نے چاہا کہ کوئی اور صاحب بھی جانتے ہوں تو بیان کریں اتفاقاً محمد بن مسلمہ بھی اس روایت کے جاننے والے نکل آئے میں تو نہیں سمجھتا کہ اگر محمد بن مسلمہ کی تائید نہ ملتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مغیرہ کے بیان کو مسترد فرما دیتے۔

تاہم ان کے اس طرز عمل سے یہ سبق مسلمانوں کو ضرور ملا کہ دین کا یہی حصہ کیوں نہ ہو یعنی خبر الخاص یا الواحد بعد الواحد کی راہ سے جو پہنچایا گیا ہے اس کے رد و قبول میں لاپرواہی سے کام نہ لینا چاہئے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے بیان کرنے کے بعد بھی مزید تائید کا انھوں نے مطالبہ کیا، تو جو صحابی نہیں ہیں خود سمجھنا چاہئے کہ ان کی روایتوں کے قبول کرنے میں مسلمانوں کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور غالباً علاوہ مزید اطمینان کے شاید یہ سبق بھی اپنے اس طریقہ کار سے وہ دینا چاہتے تھے کیونکہ ان کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے ہیں کہ اسی سنت صدیقی کی پیروی کرتے ہوئے بعض صحابیوں کی روایت پر مزید تائید کا آپ نے بھی مطالبہ فرمایا بلکہ اپنی خاص فطرت کے لحاظ سے اس مطالبہ میں کچھ شدت کی راہ بھی اختیار کی، میرا اشارہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مشہور دلچسپ روایت کی طرف ہے جو نسائی کے سوا صحاح ستہ کی ہر کتاب میں پائی جاتی ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے آپ اندر تھے جیسا کہ اسلامی دستور ہے کہ اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ باہر ہی سے حضرت عمر کو سلام کیا لیکن جواب نہ آیا، دوسری



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دفعہ تیسری دفعہ بھی جب ان کو جواب نہ ملا تو لوٹ گئے، ان کا لوٹنا تھا کہ حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اپنا آدمی روانہ کیا کہ ابو موسیٰ کو بلا کر لے آؤ جب وہ آ گئے تو فرمایا کہ تم نے جو کچھ آج کیا ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم تم نے پائی ہے؟ حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ ہاں! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اجازت تین دفعہ لی جائے نہ ملے تو آدمی واپس لوٹ جائے اسی پر میں نے عمل کیا حضرت عمرؓ نے ذرا آنکھ نکالتے ہوئے فرمایا لتقیمن علیہ بینۃ (تم کو اس پر شہادت پیش کرنی پڑے گی) بعض روایتوں میں ہے کہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لا فعلن (میں تمہارے ساتھ کچھ ضرور کروں گا) یعنی خلاف بیانی کی سزا دوں گا، بعضوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ

| | |
|---|---|
| ان کان ھذا شیئاً حفظتہ من | اگر یہ کوئی ایسی بات ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | علیہ وسلم سے سن کر تم نے یاد کیا ہے تو خیر ورنہ تم |
| فھا والا لاجعلنک عظۃ | کو میں دوسروں کے لئے باعث عبرت بناؤں گا۔ |

(جمع الفوائد بحوالہ خمسہ ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقۂ گفتگو کے اس خاص انداز سے ابو موسیٰ کچھ گھبرا سے گئے اور انصار کا ایک مجمع کہیں قریب میں تھا وہاں پریشان حال پہنچے، سید القراء حضرت ابی بن کعب اس جماعت میں سب سے بڑے تھے۔ ان ہی سے دریافت کرتے ہوئے کہ آپ لوگوں میں کوئی صاحب ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہو اور حضرت عمرؓ نے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا تھا اس کا بھی اظہار کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے جو مذاق شناس تھے وہ ان کے اس طرز عمل کو سن کر ہنس پڑے، لیکن حضرت اُبیؓ نے ان لوگوں کو جھڑکتے ہوئے کہا کہ یہ بیچارے تو پریشان ہیں اور تم لوگ ہنستے ہو پھر کہا کہ اس حدیث سے تو غالباً ہم انصار میں جو سب سے عمر میں چھوٹا ہے وہ بھی واقف ہوگا ابو سعید خدری سب سے عمر میں چھوٹے تھے، ان ہی کو حکم دیا گیا، ابو موسیٰ کے ساتھ گئے اور ان کے بیان کی حضرت عمرؓ کے سامنے توثیق کی، بہرحال یہ قصہ تو ختم ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو موسیٰ کو خوف زدہ پاکر کچھ حضرت ابی بن کعب کو خیال آیا۔ اسی وقت یا اس کے کچھ دیر کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یا ابن الخطاب فلا تکونن عذابا علی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی اے ابن الخطاب (خدا نے تم کو مسلمانوں کا اگر امیر بنا دیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے لئے تم عذاب نہ ہو۔

اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس شکایت کو سن کر جو واقعہ تھا اس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا کہ

سبحان اللہ سبحان اللہ انما سمعت شیئا فاحببت ان اتثبت

سبحان اللہ سبحان اللہ میں نے ایک بات سنی چاہا کہ استواری پیدا کر دی جائے۔

بعض روایتوں میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت عمر نے ابوسعید خدری کی مزید تائید کے بعد ابوموسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ

اما انی لم اتہمک ولکن خشیت ان یتقول الناس علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ غلط بیانی کے ساتھ تم کو میں متہم نہیں کرتا، لیکن مجھے اس کا اندیشہ پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں لوگ نہ منسوب کرنے لگیں۔

اور بات درحقیقت یہی تھی یہ نہ تھا کہ تنہا ابوموسیٰ کی روایت پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتماد نہ تھا ان کے حالات میں پڑھئے گا، جانے اس نوعیت کی حدیثوں میں صرف ایک صاحب کے بیان پر ان ہی حضرت عمر نے کتنی دفعہ اعتماد کیا ہے لیکن اس وقت ذرا سختی دکھا کر جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے صحابی جیسے ابوموسیٰ تھے ان کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے تو جو صحابی نہیں ہیں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پیغمبر کی طرف لاپروائی کے ساتھ باتوں کے منسوب کرنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ محدثین میں بعد کو "شواہد و توابع" کا جو ذوق پیدا ہوا، یعنی ایک ہی حدیث ممکنہ حد تک جتنے زیادہ طریقوں سے مل سکتی ہو ان طریقوں کے تلاش کرنے اور جمع کرنے میں عجیب و غریب والہانہ جذبات کا ظہور ان سے جو ہوا ہے کچھ تفصیل اس کی گذر بھی چکی ہے اور آئندہ بھی اپنے اپنے موقعہ پر ان کوششوں کا ذکر انشاء اللہ آئے گا خصوصاً امام بخاری



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور امام مسلم کی کتابوں کی روایتوں کا جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا منجملہ دوسرے امتیازات کے ایک بڑا امتیاز یہ بھی ہے یعنی شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں عموماً ان دونوں کتابوں کی روایتوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

"طرق متعددہ دارد کہ یکے گواہ دیگر تواند بود و ہر یکے متماسک بود" مکتوبات شاہ ولی اللہ ص۲۱

اور اسی چیز نے منجملہ دوسری خصوصیتوں کے ان دونوں کتابوں کے درجہ کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ حدیثوں کا کوئی مجموعہ ان کے ہم پلہ باقی نہیں رہا ہے

سچ پوچھئے تو خبر احاد کے متعلق اس طرز عمل کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی دن رکھ دی تھی جس دن مغیرہ کی روایت کو سن کر آپ نے مزید شہادت کا مطالبہ فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں وقتاً فوقتاً اس بنیاد کو زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش کرتے رہے، ابو موسیٰ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوروں کے ساتھ بھی حضرت عمر نے کئی دفعہ اسی طرز عمل کو دہرایا۔[1]

---

[1] اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پرلطف قصہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مکان کا ہے جو مسجد نبوی سے متصل تھا بیان یہ کیا جاتا ہے کہ مدینہ کی آبادی عہد فاروقی میں جب بہت زیادہ بڑھ گئی اور مسجد نبوی میں تنگی محسوس ہونے لگی تو اطراف وجوانب کے مکانات کو حضرت عمر نے بیت المال سے خرید خرید کر مسجد کے ساتھ ملانا شروع کیا۔ آخر میں حضرت عباس کا مکان رہ گیا تھا۔ حضرت عمر نے ان کو بھی حکم دیا کہ فروخت کر دیجئے لیکن وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکم کی وجہ سے وہ اڑ گئے گو حضرت عمر مختلف قسم کی رعایتوں کا ان کے ساتھ وعدے کرتے رہے لیکن وہ آمادہ نہ ہوتے۔ آخر ایک دن یہ ہوا کہ اس قصے کو ثالثیت میں دے دیا جائے ابی بن کعب سید القراء صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دونوں نے حکم تسلیم کر لیا۔ قصہ ان کے پاس پیش ہوا۔ ابی نے دونوں کے بیانات کو سن کر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا حکم داؤد علیہ السلام کو جب ہوا اور جب تعمیر میں وہ مشغول ہوئے تو کسی آدمی کا مکان درمیان میں کچھ ایسا حائل ہوا کہ اس مکان کا نقشہ اس سے بگڑتا تھا (یعنی تربیع یا چاروں سمت برابر ہوں) اس میں نقص پیدا ہوتا تھا۔ اس شخص سے حضرت داؤد نے کہا کہ فروخت کر دو مگر وہ راضی نہ ہوا آخر حضرت داؤد

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



الغرض تدوین حدیث کی تاریخ میں شواہد و توابع کا یہ ایوانِ رفیع بعد کو قائم ہوا۔ سچ پوچھئے تو وہ اسی صدیقی بنیاد پر اس کی تعمیر کھڑی کی گئی۔ الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے دل میں طے کیا کہ زبردستی حکومت اس پر قبضہ کر دوں گا تو حق تعالیٰ کو ان کا یہ ارادہ ناگوار گذرا۔ وحی ہوئی کہ داؤد میں نے تم کو حکم دیا کہ میری یاد کے لئے گھر بناؤ سو تم نے ارادہ کیا کہ غصب اور زبردستی چھینی ہوئی زمین کو اس مکان میں شریک کرو، مگر میری شان یہ نہیں ہے کہ میرے گھر میں مغصوبہ زبردستی چھینی ہوئی چیز داخل ہو، اس ارادے کی تم کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ اس کی تعمیر تم پوری نہ کر سکو گے تب داؤد نے کہا کہ پروردگار! میں نہیں تو اس کی تکمیل میرے فرزند کے ہاتھوں کرا دی جائے ارشاد ہوا کہ ہاں! یہ ہوگا۔ حضرت اُبی نے یہ حدیث جو سنائی تو حضرت عمر بے اختیار ہو گئے اور اُبی کے دامن کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ میں تو تمہارے پاس اس لئے آیا تھا کہ سہولت پیدا کرو گے تم نے تو اور بھی زیادہ سخت بات پیش کر دی اور کہا کہ تم کو اپنے اس بیان کی تائید میں شہادت پیش کرنی پڑے گی۔ دونوں مسجد آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا ایک مجمع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت ابوذر بھی تھے۔ اُبی نے مجمع کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بیت المقدس کی تعمیر کے اس قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اگر سنا ہو تو بیان کرے حضرت ابوذر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے تب حضرت اُبی نے کہا کہ عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مجھے متہم کرتے ہو حضرت عمر نے کہا خدا کی قسم میں نے تم کو متہم نہیں ٹھہرایا لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں عام طور پر پھیل جائیں یعنی وہی مقصد کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں عمومیت کا رنگ اگر ان حدیثوں میں پیدا کر دیا جائے گا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی اور انفرادی راہوں سے پہنچائی ہیں تو آنحضرت کا جو منشار مبارک ہے وہ جاتا رہے گا۔ حضرت اُبی یہ سن کر مطمئن ہو گئے اور جب حضرت عباس کو بھی محسوس ہوا کہ حکم کی راہ سے میرے گھر پر قبضہ کرنے سے عمر مایوس ہو چکے تو حاضر ہو کے کہ عمر لو! اب اس مکان کو مسلمانوں کے لئے میں خیرات کرتا ہوں اور ان کی مسجد میں اس کا اضافہ کر کے گنجائش پیدا کرتا ہوں (ابن سعد ص۱۲ ج۴) مسجد نبوی کے پاس حضرت عباس کے اسی مکان کا ایک اور دلچسپ قصہ ہے۔ بے اختیار جی چاہ رہا ہے کہ اس کا ذکر کر دوں ابن سعد ہی میں ہے کہ اسی مکان کے چھت میں ایک پرنالہ تھا۔ جمعہ کی نماز کے لئے کپڑے بدل کر حضرت عمر خلافت کے زمانہ میں مسجد جا رہے تھے اس دن مرغی کے بچے حضرت عباس کے ہاں ذبح کئے گئے تھے اس بچے کے گوشت وغیرہ کے دھونے کا خون اور آلائش

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے مذکورہ بالا قصہ کو درج کرنے کے بعد بالکل صحیح لکھا ہے کہ

| | |
| --- | --- |
| وفی ذلک حض علی تکثیر طرق الحدیث ؎ | یعنی حدیثوں کے طرق میں بعد کو جس کثرت کا خیال لوگوں کو ہوا۔ اس پر لوگوں کو حضرت عمر ہی کے طرز عمل نے آمادہ کیا۔ |

لیکن میں کہتا ہوں کہ بنیاد اس کی تو ابوبکر صدیق رکھ چکے تھے۔ حضرت عمر کی طرف سے اس بنیاد کے استحکام و استواری میں مدد ملی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج دین کے اس حصہ کی کیفیت تیرہ سو سال بعد تک مسلمانوں میں اپنی خاص خصوصیتوں کے ساتھ جو موجود ہے یعنی ایک طرف مسلمانوں نے اس حصہ کو دین کے بنیادی حصہ کے برابر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ مدارج و مراتب کے اس فرق کو باقی رکھنے کی کوشش کی گئی، جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً و ارادۃً اس حصہ میں پیدا کرنا چاہا تھا۔ اسی طرح ہر زمانہ میں اس کا بھی خیال کیا گیا کہ ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جائے محض منسوب ہو جانے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہو جاتی بلکہ چھان بین، تحقیق و تلاش، تنقید و تحقیر کی کوششوں میں مسلمان ابتداء اسلام سے اس وقت تک مشغول ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کسی خاص علاقہ یا ملک میں جہل کے پھیل جانے کی وجہ سے کچھ دن کے لئے بے تمیزیاں پھیل گئی ہوں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) چھت سے کسی نے بہادیا۔ ٹھیک حضرت عمر جب پرنالے کے پاس تھے، سارا پانی ان کے جسم پر گرا اس وقت ایسا جذب طاری ہوا کہ آدمی بلوا کر خود اپنے ہاتھ سے اس پرنالے کو اکھڑوا دیا حضرت عباس کو اس کی جب خبر ہوئی تو اور کچھ نہ بولے صرف اتنا فرمایا کہ اس پرنالے کو براہ راست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نصب کیا تھا۔ یہ سننا تھا کہ عمر بے چین ہو گئے اور قسم دے کر حضرت عباس کو آمادہ کیا کہ عمر کے کندھے پر چڑھ کر اس نالی کو اسی جگہ پر نصب کر دیں جہاں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو نصب کیا تھا، آخر یہی کیا گیا

ص۱۳ ابن سعد ج ۴ (باقی آئندہ)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# قدرتی نظامِ وحدت

## (۲)

از

(جناب مولوی ظفیر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ سانخ)

**آنحضرت صلعم کی امامت کیلئے ایک جامع شخصیت کی نامزدگی**

آپ جب مرض سے نڈھال ہوگئے، اور بار بار غشی کے باوجود غشی پر غشی آتی رہی تو آپ نے اس جگہ کے لئے اپنا قائم مقام اور خلیفہ اس فرد کو بنایا جو عالمِ انسانی میں انبیاء و رسل کے بعد افضل ترین تھا جن کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں "اعلم" ہونے کا درجہ حاصل تھا، یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کو، آپ نے اپنی جگہ عطا فرمائی، آپ کی بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے فاروق اعظم کی سفارش کی اور باصرار و تکرار کی، مگر آپ نے اس مشورہ کو رد فرما دیا اور اس سلسلہ میں ایک جملہ فرما کر اس حرکت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی۔

اسی مرض الوفات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دفعہ آپ نے پانی رکھنے کا حکم فرمایا، مگر ہر بار غشی کا دورہ پڑتا رہا، مسجد کی حاضری سے جب مایوسی ہوگئی، تو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے کہلا بھیجا، قاصد جب یہ پیام لے کر پہنچا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یا عمر صل بالناس" (لوگوں کو نماز پڑھائیے) یہ سن کر فاروق اعظم نے آپ سے فرمایا" انت احق بذالك" (آپ ہی اس کام کے زیادہ لائق اور مناسب ہیں) چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے امامت کی۔[۱]

**امام کے لئے کامل الفقہ ہونے کی ضرورت**

یہ واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار نے واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کر دیا کہ امامت قوم کے بہترین فرد کا حقہ ہے

---

[۱] مسلم باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ج ۱ صفحہ ۱۷۹



© rasailojaraid.com